پروفیسر محمد عثمان کی نثر کا فکری مطالعہ

رانا غلام یٰسین*

Abstract:

Professor Muhammad Usman was a renowned writer, Educationist and well versed in Iqbaliyat. He made an intensive study of Iqbal. His special contribution was translation of "Israr-o-Rumoz" and "Reconstruction of religious thoughts in Islam" in easy language. Moreover he wrote many books, thesis and literary essays on education culture and Iqbaliyat.This article covers his thoughta and ideas in urdu prose. I have studiied his literary work and searched his published and unpublished work in urdu literature.In this article I have endeavored to study and analize his idealogy by critically analyzing his books,thesis and articles

علامہ اقبال کے افکار کی تفہیم، توضیح اور اشاعت کرنے والی شخصیات میں ایک اہم نام پروفیسر محمد عثمان ہے۔آپ معروف دانشور، اقبال شناس، کالم نگار ہونے کے ساتھ ساتھ ایک اعلیٰ پائے کے ماہر تعلیم بھی تھے۔ اقبالیات، تعلیم، اسلام، ثقافت اور پاکستان کے موضوعات پر عمر بھر اپنی نگارشات سے کئی نئے گوشوں کا اضافہ کیا۔ لطافت خیال، وسعت فکر اور تعمق فراست میں آپ اپنے عہد کے ادیبوں میں نمایاں مقام رکھتے تھے۔

پروفیسر محمد عثمان کی تمام کتب، مقالات اور مضامین کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نے زندگی بھر جو کچھ لکھا وہ اسلام، پاکستان، اقبالیات، ثقافت اور تعلیم پر لکھا اور یہی موضوعات ان کے ہاں زیر بحث رہے۔ذیل میں ہم انہی موضوعات کے حوالے سے ان کی نثر کا جائزہ لیں گے تاکہ ان کی اس فکر کو دیکھا جا سکے جو ان موضوعات کو

* شعبہ اُردو، گورنمنٹ کالج، جامپور، ضلع راجن پور

اختیار کرنے کا باعث رہے۔

پروفیسر محمد عثمان صاحب کو اسلام اور قرآن و حدیث سے گہرا لگاؤ تھا۔ آپ ایک پکے اور سچے مسلمان تھے۔ ڈاکٹر غلام جیلانی برق کیمبل پور میں کئی برس تک آپ کے رفیق کار رہے وہ لکھتے ہیں:

''جب تک یہاں رہے تہجد تک پابندی سے ادا کرتے تھے۔ اور اس حقیقت پر یقین رکھتے تھے کہ انسان کی فلاح اور نجات اسلامی تعلیمات پر عمل کرنے سے ملتی ہے''(۱)

محترمہ نبیلہ عثمان نے بتایا کہ:

''ان کا معمول تھا رات کے دو بجے بیدار ہو جاتے تھے۔ تہجد پڑھتے اور مصلے پر آنکھیں بند کر کے بیٹھ جاتے۔ پھر صبح کی نماز پڑھتے۔ اس کے بعد کچھ دیر لکھتے پڑھتے اور پھر سو جاتے''(۲)

ڈاکٹر غلام جیلانی برق کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں:

''میرے نزدیک اسلام مسلمانوں کی ترقی، خوشحالی اور آزادی کا نام ہے''(۳)

آپ کے نزدیک مذہب انسانیت کی ترقی، انقلاب اور اس کے سیرت و اخلاق کے لیے انتہائی ضروری ہے۔ کیونکہ اسلام کی بنیاد روحانیت پر ہے۔ آپ کے نزدیک مسلمانوں کی ترقی ہی نہیں بلکہ انسانیت کی نجات بھی اس مذہب کے عالمگیر اصولوں کو اپنانے میں ہے فرماتے ہیں:

''اسلام انسانیت، ترقی اور انصاف کی عالمگیر تحریک ہے جس کی بنیاد روحانی ہے''(۴)

''فکر اسلامی کی تشکیل نو'' کے دیباچے میں فرماتے ہیں:

''مذہب نے افراد ہی کو نہیں، قوموں کی قوموں کو بدل کر رکھ دیا ہے۔ اور ان میں سیرت و اخلاق کی ایسی قوت پیدا کی اور انہیں جمال و جلال کے ایسے اوصاف بخشے کہ تاریخ میں کسی دوسری انسانی سرگرمی کو یہ فخر و اعزاز حاصل نہیں''(۵)

اسلام کے بارے میں آپ اجتہادی نقطہ نظر رکھتے تھے۔ آپ کا نظریہ تھا کہ جو باتیں اساسی اور بنیادی ہیں وہ لامتبدل ہیں اور قرآن مجید میں ان کو صراحت سے بیان کر دیا گیا ہے۔ لیکن جو اساسی نہیں ہیں انہیں ہماری عقل و بصیرت پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ معاشرے میں نت نئی تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں۔ ارتقاء کا عمل جاری ہے اس لیے وقت کے تقاضوں اور حالات کے مطابق اجتہاد کرنا چاہیئے۔ فرماتے ہیں:

''اسلام ایک عقلی مذہب ہے اور یہ تحریک ایک انقلابی تحریک ہے جو کچھ موجود ہے اس کو جوں کا توں برقرار رکھنا اسلام کی روح کے منافی ہے۔ جو کچھ سامنے ہے اس کا بدلنا، بہتر بنانا اور اس کو بہتری کی راہ پر چلانا میرے نزدیک اسلام ہے''(۶)

ایک انٹرویو میں فرمایا:

''اسلام نے چند بنیادی اصول دیئے ہیں اور ان کی تفسیر انسان پر چھوڑ دی ہے۔ اجماع ملت کے ذریعے آپ اپنی راہیں متعین کر سکتے ہیں''(۷)

ایک اخباری مضمون میں لکھتے ہیں:

''دین مکمل ہے لیکن مسلمان کے عقل وفہم پر کوئی مہر نہیں لگ گئی۔اس کے سوچنے، سمجھنے، نئے حل تلاش کرنے، زندگی کو پھر سے بنانے، سنوارنے اور احوال حیات میں انقلاب برپا کرنے کی راہ میں دیواریں کھڑی نہیں کی گئیں۔مسلمان ہونا تو انتہائی خوش بختی ہے۔یہ بدبختی تو نہیں۔انسان کے پاس سوچنے، سمجھنے، نئے فیصلے کرنے اور زندگی کو آگے بڑھانے کی صلاحیت اللہ تعالیٰ کی بخششوں میں سے ایک نہایت اعلیٰ درجے کی بخشش ہے۔لہٰذا مسلمان جیسی ہستی کو اس بخشش سے فائدہ اٹھانے اور اس کو نکھارنے اور درجہ کمال تک پہنچانے کے مواقع سے کیونکر محروم رکھا جا سکتا ہے''(۸)

ایک اور جگہ فرماتے ہیں:

''عصری تقاضوں کو پورا کرنا ہی اسلام کے استحکام کی ضمانت ہے اور اس میں کامیاب نہ ہونا دلیل ناکامی ہے۔ہم اپنی پوری تاریخ کو اس معیار پر جانچ سکتے ہیں۔اور اگر مستقبل قریب میں ہم اپنے عصری تقاضوں کو پورا کرنے میں ناکام رہے تو یہ صرف ہماری نہیں خود اسلام کی بھی ناکامی ہوگی''(۹)

احادیث کے بارے میں بھی آپ اجتہادی رجحان رکھتے تھے۔لیکن احادیث کے منکر نہیں تھے۔خود فرماتے ہیں:

''میں معتبر احادیث کا دل سے ماننے والا ہوں اور جو لوگ حدیث کے منکر یا علم حدیث کی جانب سے بے رخی، بے قدری یا گستاخی کا رویہ اختیار کرتے ہیں میں ان کی مذمت کرتا ہوں''(۱۰)

آپ کا نظریہ یہ تھا کہ عصری تقاضوں اور بدلتے ہوئے حالات کے مطابق حدیث یا سنت سے ہٹ کر مثبت پہلو رکھتے ہوئے کوئی حکم جاری کرنا خلاف اسلام نہیں۔آپ نے اس سلسلے میں حضرت عمر فاروقؓ کی مثال بھی دی ہے جو انہوں نے مفتوحہ اراضی کے بارے میں مثبت فیصلہ کیا تھا۔اسی طرح آپ فرماتے ہیں:

''قریب ترین زمانے میں حضرت شاہ ولی اللہ، سرسید احمد اور علامہ اقبال کے ہاں بھی حضرت عمرؓ کا نقطہ نظر اور ان جیسا اندازِ فکر دکھائی دیتا ہے۔تاہم ان سب حضرات کا نقطہ نظر سنت یا ذخیرہ احادیث کے بارے میں حضرت عمرؓ کی طرح مثبت ہے۔یعنی ان کو اس ذریعہ حدیث کی افادیت سے انکار نہیں''(۱۱)

آپ بھی چونکہ عقائد اور ایمانیات کو چھوڑ کر باقی مسائل اور امور (جن کی کی صراحت قرآن میں کر دی گئی ہے کے علاوہ) میں عصری تقاضوں کے مطابق اسلام کی تطبیق کے قائل ہیں۔ اس لیے ان کا نظریہ ہے کہ احادیث ہدایت کا منبع ہیں لیکن کچھ فرمودات اس وقت کے تقاضے کے مطابق ہیں اور آج کے تقاضے کچھ اور ہیں۔ اس لیے ہمیں موجودہ زمانے کے مطابق اپنی معاشرتی زندگی میں اسلام کی تطبیق کرنا ہوگی لکھتے ہیں:

''معتبر احادیث تک کا ایک بڑا حصہ اور بیشتر فقہ اپنی ترکیب کے لحاظ سے زمان و مکان کی پابند ہے اور ان دونوں سرچشمہ ہائے علم وبصیرت کا وہی حصہ زمان ومکان کی محدودیت سے آزاد ہے جو قرآن مجید کی حکمت لازوال سے ہم آہنگی کی بدولت ایک ابدیت پاتا ہے''(۱۲)

آپ نے ایک انٹرویو میں فرمایا:

''یہ تاریخ کی عظیم ترین مثال تھی کہ پاکستان اسلام کے نام پر قائم ہوا لیکن افسوس! ہم اسلام کی تفسیر جدید اصولوں کے مطابق نہ کر سکے''(۱۳)

ڈاکٹر سلیم اختر ایک مضمون میں لکھتے ہیں:

''پروفیسر محمد عثمان علامہ اقبال کی ہمنوائی میں اسلام کو دین فطرت اور حرکی مذہب تصور کرتے ہیں۔ وہ اسلام کو ایک ترقی پسند مذہب سمجھتے تھے۔ اس لیے وہ سائنسی رویوں سائیٹفک علوم وافکار نو اور اسلام میں تصادم نہ دیکھتے تھے۔ بلکہ وہ انہیں اسلام کے عین مطابق سمجھتے تھے۔ یوں دیکھیں تو وہ اسلام پسندی میں سرسید احمد خان اور علامہ اقبال کی روایت پر کاربند نظر آتے تھے۔ اگرچہ یہ موقف اس ملک کی اکثریت کی سوچ سے مطابقت نہیں رکھتا لیکن اسلامی روح یہی ہے''(۱۴)

ڈاکٹر محمد باقر لکھتے ہیں:

''اس کے خیالات پر دین کی گہری چھاپ تھی لیکن اس کی سوچ اجتہادی تھی۔ وہ ایک باشعور اور منطقانہ ذہن کا مالک تھا''(۱۵)

پروفیسر فتح محمد ملک لکھتے ہیں:

''اسلامیات کے باب میں عثمان صاحب کا کارنامہ یہی ہے کہ انہوں نے الہٰیات کے لات ومنات کی پرستش کی بجائے پاکستان میں اسلامی نظریہ حیات کے تمام علم داروں کے فکر وعمل کا تنقیدی تجزیہ پیش کرے کے بعد اسلام کی متحرک، ترقی پسند اور انقلابی تحریک کو پاکستانی زندگی کے عملی تقاضوں کی نسبت سمجھا اور سمجھایا ہے''(۱۶)

جہاں تک تعلیم کا تعلق ہے آپ ۱۹۴۵ سے ۱۹۸۳ تک شعبہ تعلیم سے وابستہ رہے۔ بحیثیت استاد آپ کو استاد کی شخصیت اور ذمہ داریوں، پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ میں رہتے ہوئے نصاب اور تیاری نصاب، ادارہ تعلیم وتحقیق میں رہتے ہوئے تحقیقی سرگرمیوں اور کالج آف ایجوکیشن میں رہتے ہوئے اساتذہ کی تربیتی سرگرمیوں اور نصاب کا بغور اور قریب سے جائزہ لینے کا موقع ملا۔ آپ نے ایک ماہر تعلیم ہوتے ہوئے استاد، نصاب، طریقہ تدریس، طالب علم اور تعلیمی مقاصد کا مطالعہ کیا۔ ان کی خوبیوں اور خامیوں کا جائزہ لے کر اصلاحی تجاویز بھی دیں۔ اس موضوع پر ایک پوری کتاب ''نئے تعلیمی تقاضے'' شائع ہوئی۔ اس کے علاوہ ان کے بے شمار اخباری مضامین بھی اسی موضوع پر ہیں۔

آپ کے نزدیک تعلیم نظریاتی اور قرآنی اصولوں کے مطابق ہونی چاہیئے۔ اس کے نصاب میں اسلام، نظریہ پاکستان اور جدید نظریات شامل ہونے چاہیں۔ کردار سازی کے پہلو کو بطور خاص مدنظر رکھا جانا چاہیئے۔ استاد کا ایک نمونہ ہے جسکی تربیت کا خاص اور جدید تعلیمی سرگرمیوں اور تحقیق کے مطابق اہتمام کیا جائے۔ ان کی مالی مشکلات دور کی جائیں۔ طریقہ تدریس وقت کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہوں۔ آپ کے افکار سے چند اقتباسات درج ذیل ہیں:

> ''اگر کوئی نظام تعلیم قرآن حکیم کی روشنی میں ترتیب پائے گا تو اسے کردار کو عام کرنے کا ضامن ہونا چاہیئے جو قرآن حکیم کی تعلیمات کی غایت ہے'' (۱۷)

آگے لکھتے ہیں

> ''تعلیم کا عمل اور بالخصوص اس کا وہ حصہ جو تعمیر کردار سے تعلق رکھتا ہے سکولوں کالجوں اور یونیورسٹیوں کی چار دیواریوں میں پروان نہیں چڑھ سکتا۔ اس عمل پر تین عناصر کو مشترک گرفت ہے۔ اول معاشرہ، دوم استاد کی شخصیت، سوم کتاب اور اس کے مشمولات'' (۱۸)

> ''ہر نظریاتی مملکت میں استاد کو اس ملک کے نظریے کا مبلغ ہونا چاہیئے'' (۱۹)

> ''ہمیں ایک ایسے نظام کی ضرورت ہے جو ہمارے قومی عزائم اور ولولوں کا ساتھ دے سکے جو اسلامی تعلیم کے بنیادی اصولوں پر مبنی ہو اور ہماری انفرادی اور اجتماعی زندگی کے ان مقاصد کی طرف راہنمائی کر سکے۔ جو تحریک پاکستان میں مضمر تھے'' (۲۰)

اپنے مضمون نئے تعلیمی تقاضے میں تعلیمی مقاصد کی فہرست یوں مرتب کی ہے:

> ''اسلام، جمہوریت، معاشی انصاف، تعمیر نو، اساتذہ کی تربیت نو، تعلیم اور معاشرہ، استاد، کتاب'' (۲۱)

ایک انٹرویو میں فرمایا:

''یہاں میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ نظریہ پاکستان کو اس کے صحیح تناظر میں سمجھنا اور اسے اپنے پورے نظام تعلیم میں سمونا ہماری ایک اہم اور فوری ضرورت ہے۔ جس کی تکمیل کے بغیر ہم ایک قوم کی حیثیت سے سربلند ہو سکتے ہیں اور نہ ہی سرفروشی حاصل کر سکتے ہیں''(۲۲)

آپ حصول تعلیم اور قومی مقاصد کے حصول کے لیے قومی زبان کو ذریعہ تعلیم بنانے کے بہت بڑے حامی تھے۔ آپ نے کئی مضامین میں اس بات کا بڑی شدومد سے تذکرہ کیا کہ ذریعہ تعلیم صرف اردو ہو۔ ایک جگہ فرماتے ہیں:

''جس نسل کی اپنی زبان نہیں وہ تعلیم یافتہ کہلانے کی مستحق کیونکر ہو سکتی ہے۔ ہمارے موجودہ نظام تعلیم کا سب سے زیادہ غور طلب پہلو غالباً یہ ہے کہ یہ سو میں سے نوے طالب علموں کو گونگا (بے زبان) پیدا کر رہا ہے''(۲۳)

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

''میری سفارش فقط یہ ہے کہ تعلیم کے ہر درجے پر اردو پڑھائی جائے اور اسے ذریعہ تعلیم بننے کے قابل بنایا جائے''(۲۴)

ایک انٹرویو میں فرمایا:

''اب یہ حقیقت کھل کر سامنے آرہی ہے کہ جب تک ہم اردو کو تعلیم و دفاتر اور سرکاری کاموں میں نہیں اپناتے ہم واقعی ترقی نہیں کر سکتے۔ اردو کو اس کا جائز مقام دے کر ہی ہم ایک ترقی یافتہ قوم بن سکتے ہیں۔ ورنہ ہماری یہ ''بے زبانی'' قابل افسوس رہے گی''(۲۵)

معیشت کے حوالے سے آپ معاشی انصاف کے سب سے بڑے علمبردار تھے۔ آپ نے اپنے کئی مقالات اور مضامین میں اس بات کا اظہار کیا اور اسے قرآن وسنت سے ثابت کرنے کی کوشش بھی کی کہ دولت کی مساویانہ تقسیم عین اسلامی نظریہ ہے۔ اس کے لیے آپ نے اسلامی سوشلزم کی اصطلاح استعمال کی۔ یہ نظریہ آپ ہی نے پیش کیا۔ ڈاکٹر سلیم اختر صاحب نے ایک گفتگو میں بتایا:

'' پروفیسر صاحب نے مجھے کئی بار بتایا کہ اسلامی سوشلزم کا نظریہ میرا ہے اور میں نے ہی یہ نظریہ بھٹو صاحب کو دیا ہے''(۲۶)

محترمہ نبیلہ عثمان نے بھی یہی بتایا ہے:

''پروفیسر صاحب نے کئی بار یہ بات مجھے بتائی کہ اسلامی سوشلزم کا نظریہ میں نے ہی پیش کیا ہے''(۲۷)

ایک مضمون میں لکھتے ہیں:

''جہاں تک انسان کے معاشی مسئلے کا تعلق ہے آپ غور فرمائیں کہ اسلام کے مقاصد اور سوشلزم کے مقاصد میں کس قدر اتحاد اور یکسانی ہے ۔حضورؐ کے فوراً بعد کے اسلامی معاشرے کو اگر جدید اصلاحی زبان میں بیان کرنا ہوتو آپ بلاخوف اسے ایک سوشلسٹ معاشرہ قرار دے سکتے ہیں۔اور قرآن حکیم معاشی مسائل میں ہمیں جو مجموعی انسانی نقطہ نظر بخشتا ہے وہ مروجہ نظام ہائے معاشی میں سب سے زیادہ سوشلزم کے قریب ہے'' **(۲۸)**

اپنے مضمون ''قرآن کا اشتراکی رجحان'' میں قرآن کے معاشی استحکام کا تذکرہ ان عنوانات کے تحت کرتے ہیں۔

''طعام مسکین، حق معلوم، زکواۃ، صدقات وانفاق، اکتناز زر، حرمت سود، گردش زر کا زریں اصول'' **(۲۹)**

پھر لکھتے ہیں:

''اس تمام حکم وتلقین اور منع وانتباہ کو نظر میں رکھتے ہوئے معاشی مسائل کے بارے میں جو تصویر قرآنی تعلیمات کی ابھرتی ہے کیا وہ واضح اور غیر مبہم طور پر اس تصور سے ملتی ہے جسے عرف عام میں جمہوری اشتراکیت یا اشتراکی جمہوریت کہتے ہیں'' **(۳۰)**

ایک اخباری مضمون میں سوشلزم کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''سوشلزم دراصل سوشل جسٹس (معاشرتی انصاف) کا دوسرا نام ہے اس میں مذہب دشمنی، مادہ پرستی یا کوئی دوسری انتہاپسندی (اخلاقی ضابطوں میں ڈھیل) نہیں'' **(۳۱)**

ایک اور جگہ رقمطراز ہیں:

''اسلامی سوشلزم کی اصطلاح تقریباً (رفاہی ریاست) کا بدل ہے۔ البتہ معروف رفاہی مقاصد کے علاوہ سوشلزم کے مفہوم میں یہ بھی شامل ہے کہ معاشی ترقی کے بے محابا دوڑ میں ملک کے ثقافتی ورثے کو برباد نہ ہونے دیا جائے'' **(۳۲)**

معاشی انصاف کے حوالے سے آپ نے اقبال کے خطوط اور کلام، قائداعظم، لیاقت علی خان اور کئی دانشوروں کے بیانات کا حوالہ بھی دیا ہے۔ مواخات مدینہ کی مثال بھی پیش کی ہے۔اور فرمایا ہے کہ معاشرے میں معاشی طور پر کسی کو بدحال نہیں رکھا جاسکتا۔سب انسان برابر ہیں۔اس لیے سب مسلمانوں کو مالی حقوق دیئے جائیں۔

جہاں تک ثقافت اور تہذیب وتمدن کا تعلق ہے آپ اسلامی تہذیب وثقافت کے دلدادہ تھے۔مسلمانوں اور خاص طور پر پاکستانیوں کو اسلامی تہذیب کا پیکر دیکھنا چاہتے تھے۔مغربی تہذیب وثقافت کے سخت مخالف تھے۔ آپ اپنے جذبات کا اظہار اپنے مضامین اور کتب میں کرتے رہے ہیں۔آپ نے اسموضوع پر تین تصانیف لکھیں۔ ''ثقافت کے مسائل'' چھپ چکی ہے۔ایک کتاب ''پاکستانی ثقافت'' نامکمل رہ گئی۔ڈاکٹر سلیم اختر نے بتایا کہ ان کا

ایک کتابچہ ''ثقافت'' ان کے انتقال کے وقت میرے پاس تھا جو طبع نہیں ہو سکا۔ ثقافت کے بارے میں لکھتے ہیں:

''ثقافت معاشرتی زندگی کو بہتر اور حسین بنانے کا ذریعہ ہے''(۳۳)

''ثقافت فرد کی ذاتی تکمیل کا ذریعہ ہے''(۳۴)

''ثقافت تفریح ہے، ثقافت حسن کاری ہے اور ثقافت ذریعہ تکمیل ذات ہے''(۳۵)

ثقافت کے نظریات پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

'' انسانی ثقافت میں ہمیں دو نظریات جاری و ساری ملتے ہیں۔ ایک جنسی ہیجان کا نظریہ اور دوسرا جسے آپ غیر تلذذی نظریہ کہہ سکتے ہیں''(۳۶)

اسی طرح عقائد اور ثقافت کے تعلق پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''کسی قوم کے پختہ عقائد کا اس کی ثقافت یا ثقافتی مظہر سے گہرا تعلق ہوتا ہے''(۳۷)

''فطری قوانین کا یہ تقاضا ہے کہ آپ کی ثقافت آپ کے اعلیٰ تصورات اور عقائد کی آئینہ دار ہو''(۳۸)

''ثقافت کے مسائل'' میں لکھتے ہیں:

''جب آپ کے ثقافتی مسائل آپ کا منہ چڑائیں تو اسے آزادی نہیں تضاد کہا جائے گا یا منافقت''(۳۹)

''شاعری ہو کہ موسیقی، مصوری ہو یا رقص، اسٹیج ڈرامہ ہو یا فلم اگر ان ثقافتی سرگرمیوں کا سرچشمہ ہمارے مسلم عقائد و نظریات ہیں تو وہ پاکستانی ثقافت کی ذیل میں آئیں گی''(۴۰)

مغربی ثقافت کے بارے میں لکھتے ہیں:

''یہ ایسی ثقافت ہے جس نے انسانی تاریخ کے بدترین سامراج کو جنم دیا اور سرمایہ داری نظام کے ذریعے چند انسانوں کو بے شمار انسانوں کی زندگیوں کے ساتھ کھیلنے کی تمام تر قوت مہیا کی پھر رنگ، نسل اور متشدد وطنیت کا زہر بھی اسی ثقافت کی بدولت نسل انسانی کی رگوں میں بہ شدت سے پھیلا''(۴۱)

''اس ثقافت کی ایک برائی نے اس کی برائیوں کے پلڑے کو بہت بھاری بنا دیا ہے اور وہ اس ثقافت کا جنسی ہیجان پر مبنی ہونا ہے اور عورت کے جسم کو مال تجارت سمجھنا ہے''(۴۲)

سیاست اور حکومت کے بارے میں آپ کا نظریہ اجتہادی تھا۔ آپ فرماتے ہیں کہ سیاست کچھ معاملات میں دین کی پابند ہے اور کچھ میں آزاد ہے۔ کیونکہ ہمیں سیاست میں داؤد و سلیمان کی سی وراثتی اور آمرانہ حکومت بھی ملتی ہے۔ اور آنحضرتؐ کی سی جمہوری حکومت بھی۔ اس لیے ہم نے خود اجتہاد کے ذریعے حالات کے مطابق خود فیصلہ کرنا ہے۔ لکھتے ہیں:

''اسلام میں دین و سیاست ایک ہیں بھی اور نہیں بھی، جہاں تک روح دین کا تعلق

ہے مسلمانوں کی سیاست اس سے الگ نہیں رہ سکتی۔ جہاں تک ایک جدید سوسائٹی کے آئین و نظام کی جزئیات کا تعلق ہے اگر ہم انہیں قرآن و سنت میں ڈھونڈنے کی کوشش کریں تو یہ کوشش لاحاصل ہوگی''(۴۳)

اسی طرح مزید لکھتے ہیں:

''قرآن میں بیان کردہ عام اصولوں کی روشنی میں وقت اور حالات کے مطابق ہر زمانے اور ہر دور میں ہمیں اپنا معاشی اور سیاسی نظام خود تجویز و تعبیر کرنا ہے۔ اسلام نہ قطعی جمہوریت ہے، نہ بادشاہت اور نہ آمریت''(۴۴)

آپ کا نظریہ تھا کہ قرآن حکیم ایک کامل نسخہ ہدایت ہے اور اس میں بنیادی باتیں بڑی وضاحت سے بیان کر دی گئی ہیں۔ مثلاً وضو، نماز، روزہ، حج اور زکواۃ لیکن سیاست اور حکومت کے بارے میں صراحت نہیں فرمائی۔ لکھتے ہیں:

''اس معاملے میں اس نے نہایت بامعنی اور حکیمانہ سکوت اختیار کیا ہے کہ مسلمانوں کو کس طرح کا نظام مملکت۔ جمہوریت، بادشاہت یا آمریت۔۔۔۔۔۔اختیار کرنا چاہیئے''(۴۵)

آپ فرماتے ہیں:

''طرز حکومت بلاشبہ تغیر پذیر تمدن کا ایک شعبہ ہے اس کی سب سے بڑی دلیل تو یہی ہے کہ قرآن حکیم ان تمام سوالوں کے بارے میں مسلمانان عالم کی بھلائی کے لیے خاموش ہے''(۴۶)

بادشاہت اور جمہوریت کے بارے میں لکھتے ہیں:

''اب ایک طرف تو داؤد وسلیمان اور طالوت ہیں کہ بادشاہ ہونے پر برگزیدہ ٹھہرے اور دوسری طرف رسول اکرمؐ کا اسوہ حسنہ ہے کہ اس سے جمہوری اصولوں کی حمایت کا پہلو نکلتا ہے''(۴۷)

دین اور سیاست کے تعلق کی وضاحت کرتے ہیں:

''اسلام میں سیاست ان معنوں میں دین کی پابند ہے کہ اسے عدل و انصاف کا پابند ہونا چاہیئے اور حالات کی تبدیلی کے ساتھ عدل و انصاف جن سیاسی، معاشرتی اور معاشی تبدیلیوں کا تقاضا کرے ان کو اسے اختیار کرنا چاہیئے''(۴۸)

اسی طرح ایک اخباری مضمون میں لکھتے ہیں

''جہاں تک طرز سیاست کا تعلق ہے سچی بات تو یہ ہے کہ قرآن نے فقط ایک حکم دیا ہے۔ شاورہم فی الامر (اپنے لوگوں سے معاملات میں مشورہ کیا کرو) اور ایک دوسری جگہ حکم کی بجائے اس کو مسلمانوں کے وصف کے طور پر بیان کیا ہے۔ وامرہم شوریٰ بینہم''(۴۹)

حوالہ جات

۱۔ میری داستان حیات: غلام جیلانی برق، ڈاکٹر، اسد پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۸۱، ص ۱۲۷

۲۔ نبیلہ عثمان سے انٹرویو ۳۔ میری داستان حیات، ص ۱۳۱ ۴۔ میری داستان حیات، ص ۱۳۰

۵۔ فکر اسلامی کی تشکیل نو، محمد عثمان، پروفیسر، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۸۷، ص ۱۰۰

۶۔ میری داستان حیات، ص ۱۳۱ ۷۔ صورت گران عصر، ص ۵۶

۸۔ اسلامی سوشلزم اور عالم اسلام، محمد عثمان، پروفیسر، امروز، ۲۸ جون، ۱۹۷۵

۹۔ اسلام پاکستان میں، محمد عثمان، پروفیسر، مکتبہ جدید، لاہور، ۱۹۶۹، ص ۳۰۵

۱۰۔ ایضاً، ص ۱۰ ۱۱۔ ایضاً، ص ۲۳۲ ۱۲۔ اسلام پاکستان میں، ص ۱۰

۱۳۔ صورت گران عصر: عطش درانی، ڈاکٹر، مکتبہ میری لائبریری، لاہور، ۱۹۸۷، ص ۵۵

۱۴۔ اقبال شناس دانشور پروفیسر محمد عثمان کی یاد میں، سلیم اختر، ڈاکٹر، جنگ، ۳۰ جون، ۱۹۸۷

۱۵۔ پروفیسر محمد عثمان، محمد باقر، ڈاکٹر، نوائے وقت، ۱۰ جولائی، ۱۹۸۷

۱۶۔ ماہنامہ ''کتاب''، نیشنل بک کونسل لاہور، جون ۲، ۱۹۷

۱۷۔ نئے تعلیمی تقاضے، محمد عثمان، پروفیسر، مکتبہ جدید، لاہور، ۱۹۷۵، ص ۱۸

۱۸۔ نئے تعلیمی تقاضے، ص ۱۹ ۱۹۔ ایضاً، ص ۱۱ ۲۰۔ ایضاً، ص ۲۷

۲۱۔ ایضاً، ص ۸۵۔۱۰۸ ۲۲۔ صورت گران عصر، ص ۶۰ ۲۳۔ نئے تعلیمی تقاضے، ص ۳۶

۲۴۔ نئے تعلیمی تقاضے، ص ۶۳ ۲۵۔ صورت گران عصر، ص ۵۷ ۲۶۔ ڈاکٹر سلیم اختر سے گفتگو

۲۷۔ نبیلہ عثمان سے انٹرویو ۲۸۔ اسلام پاکستان میں، ص ۱۲۰ ۲۹۔ ایضاً، ص ۶۴۔۷۵

۳۰۔ ایضاً، ص ۶۷ ۳۱۔ اسلامی سوشلزم اور عالم اسلام (۲) محمد عثمان، پروفیسر، امروز، ۲۶ جون ۱۹۷۵

۳۲۔ اسلام پاکستان میں، ص ۱۲۷ ۳۳۔ نئے تعلیمی تقاضے، ص ۱۶۰ ۳۴۔ ایضاً

۳۵۔ ایضاً ۳۶۔ ایضاً، ص ۱۶۱ ۳۷۔ ایضاً، ص ۱۶۷

۳۸۔ ایضاً، ۳۹۔ نئے تعلیمی تقاضے، ص ۱۶۸ ۴۰۔ ایضاً، ص ۱۶۹

۴۱۔ ایضاً، ص ۱۶۳ ۴۲۔ ایضاً، ص ۱۶۳ ۴۳۔ اسلام پاکستان میں، ص ۱۳

۴۴۔ اسلام پاکستان میں، ص ۱۴ ۴۵۔ ایضاً ۴۶۔ ایضاً، ص ۲۲

۴۷۔ ایضاً، ص ۲۳ ۴۸۔ ایضاً، ص ۲۵

۴۹۔ اسلامی ریاست کی تشکیل، محمد عثمان، پروفیسر، نوائے وقت، ۲۷ مارچ، ۱۹۸۶